امام اعظمؒ کا طریقِ استدلال قضاء و افتاء میں رائے کی آزادی اور احتیاط

محمد عیسیٰ عفی عنہ صدر شعبہ افتاء نصرت العلوم گوجرانوالہ

سیدنا امام اعظم ابو حنیفہؒ کوفی م ۱۵۰ھ صاحب مناقب کثیرہ ہیں لیکن یہاں صرف آپ کی چند خصوصیات کا ذکر مقصود ہے۔

۱۔ آپ کے عقلی طرز استدلالات اور مناظرہ جات کا نمونہ جس کی دنیا میں دھوم مچی ہوئی ہے

۲۔ سیاسی آزادی اور شخصی خودی علم دین کے تحفظ اور اظہار رائے کے حقوق کی بحالی کے سلسلہ میں امام صاحب کی مساعی جمیلہ کا ذکر جن کا آغاز آپ کے دور میں آپ کے وجود ہی سے شروع ہوتا ہے۔

۳۔ فقہ اور اجتہاد میں امام صاحب کا مسلک اور اس کے قواعد و اصول جو قیامت تک پوری امت کے لیے، مسائل و احکام کی اساس ہیں جن سے آج تک کسی مجتہد اور امام نے اختلاف نہیں کیا۔ البتہ فروع اور احکام میں اختلاف کی حیثیت اس سے مختلف ہے۔ یہ ہیں چند وہ اوصاف جن میں ہم بحث کرنا چاہتے ہیں۔

(۱) عقلی طرز استدلال اور مناظرہ۔

امام صاحب کا شہرہ صرف فقہ و اجتہاد کے امام ہونے کی حیثیت سے نہیں ہے، کم لوگ جانتے ہیں۔ کہ آپ بحث و مناظرہ اور عقلی طرز استدلال کے امام بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عادت قدیمہ ہے۔ کہ ہر دور میں تقاضۂ وقت کے مطابق ایسے افراد پیدا کرتے رہتے ہیں جن

کی اس وقت ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ امام صاحب کا وجود با جود بھی اسی قبیل سے ہے۔ آپ کے دور میں اسلام کے اندر مختلف قسم کے فرقے پیدا ہو گئے تھے بمعتزلہ قدریہ۔ جبریہ۔ جہمیہ۔ کرامیہ۔ خوارج۔ مرجیہ۔ شیعہ۔ اور دہریہ معروف اداکے مطابق اپنے اپنے عقائد کی اشاعت ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ اسلامی عقائد اور وحدت امت کے لیے یہ لوگ دیمک ثابت ہوئے۔ قرآن مجید کی واضح آیات۔ صریح نصوص اور سنت واضحہ کے ارشادات عالیہ سے یکسر ہٹ کر اپنی راہ ایجاد کی اور فرقہ بندی کرنے لگے۔ مسائل ثابتہ حقہ کو اپنی نارسا عقل کے ترازو میں تولنے کی ناکام کوشش میں مبتلا ہو گئے تھے۔ حالانکہ خدا اور رسول کے فرمودات ہی اصل معیار ہیں جس پر عقل کے ترازو میں صحت اور سقم کو پرکھا جاسکتا ہے۔ ایسے لوگ خدا تعالیٰ کی طرف سے قائم کردہ فرامین و دلائل سے کب خاموش ہوتے تھے اپنے طور وطریقے کے مطابق نقل کی بجائے محض اپنی فرسودہ عقل سے جواب کا مطالبہ کرتے تھے۔ ضرورت تھی کہ ایسا امام برحق وجود میں آئے جو ان کو ان کی زبان میں جواب دے۔ عقل صحیح کے لیے اصول وضوابط وضع کرے جو اسلام کی حقانیت ثابت کرتے ہوں۔ اور اہل باطل کی دیوار کو مسمار کر دیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں سیدنا امام اعظمؒ سے ایسا کام لیا کہ آپ کے چشمۂ فیض سے نہ صرف اہل باطل کا ناطقہ بند ہو گیا بلکہ مستقبل میں اہل حق کو انمٹ کامیابی اور فتحمندی سے ہمکنار کرتا رہا۔

امام اعظم کا مناظرہ اور مباحثہ طویل نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی وہ اپنے جواب میں کوئی لمبی چوڑی تقریر جھاڑنے کے عادی ہیں۔ بلکہ وہ اپنے مقابل کو ایک مسئلہ کی مختلف شقوں میں اختیار دے دیتے ہیں۔ کہ مثلاً ان دو شقوں میں سے کس شق کو لیتے ہو۔ الف کو لیتے ہو تو اس سے تو ہمارا مدعیٰ ثابت ہوتا ہے۔ اور اگر ب کو لیتے ہو تو، تمہارے مدعیٰ کے خلاف ہے۔ امام صاحبؒ جواب طلب کرتے ہیں۔ مقابل فریق ان بیان کردہ شقوں کے حصار میں محصور ہو کر رہ جاتا ہے۔ امام ابو مطیع بلخیؒ کی آپ سے روایت کردہ فقہ اکبر اس قسم کے ابحاث سے پڑ ہے۔ بطور نمونہ ایک دو باتیں تحریر کی جاتی ہیں۔

قال (ابو مطیع للامامؒ) فان قال (المعترض) اقول ان اللہ تعالیٰ لم یجبر عبادہ علی ذنب ثم یعذبھم علیہ۔ فما تقول لہ۔ قال قل لہ ھل یطیق العبد لنفسہ ضرًّا او نفعًا فان قال لا لانھم مجبورون فی الضر والنفع ماخلا الطاعۃ والمعصیۃ فقل لہ ھل خلق اللہ تعالیٰ الشر فان قال نعم خرج من قولہ وان قال لا کفر لقولہ تعالیٰ قل اعوذ برب الفلق من شر ما خلق (ص۲) باب المشیۃ

ابو مطیع نے امام سے دریافت کیا۔ کہ اگر معترض یوں اعتراض کرے کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کو گناہ پر مجبور کیوں کرتا ہے جب کہ ان گناہوں پر عذاب بھی دیتا ہے؟ آپ کا اس کے جواب میں کیا ارشاد ہے؟

فرمایا۔ اس سے دریافت کرو۔ کہ بندہ اپنی ذات کے لیے نفع یا نقصان کی طاقت رکھتا ہے یا نہ؟ اگر نفی میں جواب دے کیونکہ وہ نفع اور نقصان میں طاعت اور معصیت کے علاوہ بھی مجبور ہیں۔ تو اس سے پوچھو کیا خدا نے شر کو پیدا کیا ہے۔ اثبات میں جواب دے تو وہ اپنے قول سے نکل گیا۔ اور اگر جواب نفی میں ہو تو کافر ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ قل اعوذ برب الفلق من شر ما خلق (جس سے شر کی خالقیت ثابت ہوتی ہے۔

(۲) فان قال ان الرجل ان شاء فعل وان شاء لم یفعل وان شاء اکل وان شاء لم یاکل وان شاء شرب وان شاء لم یشرب۔ فقل لہ ھل حکم اللہ تعالیٰ علی بنی اسرائیل أن یعبروا البحر وقدر علی فرعون الغرق فقلت فھل کان یقدر فرعون أن یسیر فی طلب موسی وان لا یغرق ھو واصحابہ فان قال نعم فقد کفر باللہ وان قال لا نقض قولہ السابق۔ (ایضاً ص۳)

اگر معترض یوں کہے کہ آدمی چاہے کوئی کام کرے یا نہ کرے چاہے کھائے یا نہ کھائے پیئے یا نہ پیئے۔ تو اسے اختیار ہے تو اس سے یوں دریافت کرو۔ کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حکم کیا ہے۔ کہ وہ دریا عبور کریں۔ اور فرعون پر غرق کرنے کو مقدر کیا ہے تو ان سے پھر پوچھو کہ کیا فرعون کو اس بات کی قدرت تھی کہ موسیٰ کی گرفتاری پر جاتا اور نہ وہ ڈوبتا اور نہ اس کے ساتھی؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو وہ کافر ہو گیا۔ اور اگر جواب نفی میں ہے تو اسنے اپنے سابق کلام کا خلاف کیا۔

دوسرا طریق بحث

آپ کا دوسرا طریق بحث یہ ہے کہ حاضرین کے سامنے صرف ایک ایسی صورت پیش کرتے ہیں۔ جو آپ کے دعویٰ کے ہم آہنگ ہوتی ہے۔ صورت بھی ایسی جو مافوق العادۃ ہوتی ہے۔ اور مقابل فریق آپ کی زبان سے ایسی بات سن کر حیرت میں چلا جاتا ہے۔ پھر وہ اگر مصورہ شکل کا انکار کرتا ہے۔ تو اسی انکار میں امام صاحب کی کامیابی کا راز مضمر ہوتا ہے اس کے اس انکار اور استعجاب سے امام اپنی دلیل قائم کرتے ہیں جسے خصم بلا چون وچرا تسلیم کر لیتا ہے۔

امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں دلائل توحید کا ذکر کرتے ہوئے امام صاحب کا واقعہ ان الفاظ میں لکھا ہے:

کان ابوحنیفۃ رحمہ اللّٰہ سیفا علی الدھریۃ، وکانوا ینتھزون الفرصۃ لیقتلوہ فبینا ھو یوما فی مسجدہ قاعد اذ ھجم علیہ جماعۃ بسیوف مسلولۃ وھموا بقتلہ فقال لھم: اجیبونی عن مسئلۃ ثم افعلوا ما شئتم فقالوا ھات، فقال ما تقولون فی رجل یقول لکم انی رأیت سفینۃ مشحونۃ بالاحمال مملوءۃ من الاثقال قد احتوشھا فی لجۃ البحر امواج متلاطمۃ ورباح مختلفۃ وھی من بینھا تجری مستویۃ لیس لھا ملاح یجریھا ولا متعھداً

يدفعها هل يجوز ذلك في العقل؟ قالوا لا - هذا شيئ لا يقبله العقل فقال ابوحنيفة: ياسبحان الله اذا لم يجز في العقل سفينة تجري في البحر مستوية من غير متعهد ولا مجري فكيف يجوز قيام هذه الدنيا على اختلاف احوالها وتغير اعمالها وسعة اطرافها وتباين اكنافها من غير صانع وحافظ فبكوا جميعا وقالوا صدقت واغمدوا اسيوفهم وتابوا (تفسير كبير ص ۹۹ جلد۴)

ابوحنیفہ فرقہ دہریہ کے خلاف برہنہ شمشیر تھے اور وہ موقعہ کی تلاش میں ہوتے تاکہ آپ کو قتل کر دیں۔ ایک دن آپ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ پر ایک جماعت نے تلواریں سونتے ہوئے ہلہ بول دیا، اور آپ کے قتل کا ارادہ رکھتے تھے، آپ نے ان سے کہا پہلے مجھے ایک مسئلہ کا جواب دو پھر جو چاہو سو کرو۔ انہوں نے کہا بتاؤ- آپ نے کہا کہ ایسے شخص کے بارے تمہاری کیا رائے ہے جو تم سے کہے میں نے ایک کشتی بوجھ سے لدی ہوئی اور بھاری بھرکم سامان سے پُر دیکھی ہے جس کو سمندر کی لہریں متلاطم موجیں اور مختلف ادھر ادھر کی ہوائیں دھکیل رہی ہیں۔

لیکن باایں ہمہ وہ برابر صحیح طور پر چل رہی ہے۔ نہ تو اس کا کوئی ملاح ہے۔ جو اسے چلا رہا ہو اور نہ اس پر کوئی نگران ہے جو اسے کنٹرول کر رہا ہو۔ کیا عقل میں یہ بات درست ہو سکتی ہے؟ وہ بولے۔ نہیں۔ یہ ایک ایسی چیز ہے۔ جسے عقل قبول نہیں کرتی۔ تو ابوحنیفہ نے کہا یا سبحان اللہ۔ جب کہ عقل میں یہ جائز نہیں کہ ایک کشتی سمندر میں نگران اور ملاح کے بغیر متوازی طور پر چل سکے۔ تو اس دنیا کائنات کا قیام کیسے درست ہے۔ باوجودیکہ اس کے احوال مختلف ہیں۔ اور اس کے آثار ایک دوسرے سے متغیر جس کے اطراف وسیع اور اس کے کنارے باہم ایک دوسرے کی ضد اور اس کا کوئی صانع ہو اور نہ محافظ اس بات کو سنتے ہی سب رو پڑے اور کہا آپ نے سچ کہا: تلواریں نیام میں ڈال دیں اور اپنے ارادے سے باز آ گئے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ تابعین میں سے پہلے شخص تھے جنہوں نے عوامی سطح پر اصلاح امت کے لیے اس طریقہ بحث کی طرف توجہ مبذول فرمائی اور ایسا کمال حاصل کیا کہ زمانہ خیرون القرون میں آپ اس فن کے جامع امام سمجھے گئے۔

" امامؒ کو اہل بدعت سے اکثر مناظرہ کا اتفاق ہوتا تھا۔ بصرہ میں اچانک بدعت کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ تقریباً بیس فرقے پیدا ہوئے تھے۔ امام نے اپنی ہمت اعلاء کلمۃ اللہ میں صرف فرمائی اور بنفس نفیس کئی بار بصرہ تشریف لاکر ایک ایک سال بلکہ اس سے بھی زیادہ قیام فرماکر فرقہ مبتدعہ سے مناظرے کئے ان کو پسپا کیا جس شخص نے سب سے پہلے علم کلام کے اصولی مسائل کو دلائل شرعیہ سے ثابت کیا وہ امام ہی تھے"

امام مالکؒ نے امام شافعیؒ کو ایک ستون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ امام ابوحنیفہ اگر اس اسطوانہ کو سونے کا ثابت کرنا چاہیں۔ تو ثابت کر دکھائیں گے۔

یہ قول امام صاحب کی قوت استدلال کا کیسا عجیب وغریب مظہر ہے۔

عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں۔

ما رایت احدا اعقل من ابی حنیفۃ۔

میں نے امام ابوحنیفہؒ سے زیادہ عقلمند بالغ نظر دوسرا کوئی نہیں دیکھا۔

مشہور ہے کہ امام صاحب اپنی طفولیت میں مکتب کو جا رہے تھے۔ سرراہ ایک شخص مجمع لگا کر کرسی پر بیٹھا اسلام پر اعتراض کر رہا تھا کسے یارا ہے جو میرے سوالات کا معقول جواب دے۔ امام نے سنتے ہی فرمایا کہ یہ عجیب ہے کہ سائل کرسی پر بیٹھے جواب کا طالب ہو۔ وہ فوراً کرسی سے اتر آیا اور امام صاحب اسی کرسی پر بیٹھ گئے۔

سائل۔ اس وقت خدا نے کیا کیا؟

امام صاحب۔ تجھے کرسی سے اتار کر مجھے بٹھا دیا۔

سائل۔ خدا سے پہلے کیا تھا؟

امام صاحب۔ ایک سے پہلے شمار کرکے دیکھ لو۔

سائل۔ خدا کا رخ کدھر ہے۔

امام صاحب۔ آفتاب اور چراغ کا رخ کدھر ہوتا ہے!
سائل۔ زمین کا نصف کہاں ہے؟
امام صاحب۔ یوں سمجھ لو جہاں میری کرسی یہی نصف ہے۔ پیمائش کر کے دیکھ لو۔
سائل۔ اسلام میں عورت کے لیے، دو مردوں کی اجازت کیوں نہیں۔
امام صاحب۔ نسل کا امتیاز ناممکن ہو جاتا جیسے مختلف جانوروں کے باہم دودھ ملا کر ان کا جدا کرنا مشکل ہے۔

القصہ امام کا وجود اللہ کی حجت اور وجود خداوندی پر زبردست دلیل اور برہان ہے۔

مناظرہ میں امام کی بردباری۔ درگذر اور مشروط معافی

یزید بن الکمیت یقول، سمعت ابا حنیفۃ یقول۔ وقد ناظرہ رجل فی مسئلۃ وقال لہ: یامبتدع یازندیق فقال: غفر اللہ لک؛ اللہ یعلم منی خلاف ماقلت، وھو یعلم انی ماعدلت بہ احدا منذ عرفتہ، ولا رجوت الا عفوہ، ولا خفت الا عقابہ، ثم بکی عند ذکر العقاب نسقط صریعا ثم افاق، فقال الرجل اجعلنی فی حل فقال: کل من قال مالیس فی من اہل الجہل فھو فی حل: وکل من قال شیئا مالیس فی من اہل العلم فھو فی حرج فان غیبۃ العلماء تبقی شینا بعدھم (اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ ص ۷۳)

یزید بن کمیت کہتے ہیں۔ میں نے ابو حنیفہؒ سے اس حال میں سنا جب کہ ان سے ایک شخص نے مناظرہ کرتے ہوئے کہا او مبتدع زندیق؛ آپ نے دعا کی اور کہا مجھے اللہ تعالیٰ تیرے قول کے برعکس جانتے ہیں۔ اسے پتہ ہے۔ کہ جب سے میں نے اسے پہچانا ہے۔ اس کے ساتھ کسی کو برابر اور شریک نہیں کیا۔ اس سے معافی کے بغیر کوئی امید اور اس کے عذاب کے بغیر اور کوئی خوف نہیں رکھتا۔ عذاب کا ذکر کرتے

ہی رو پڑے اور بیہوش ہو کر گر پڑے۔ افاقے میں آئے۔ تو اس شخص نے کہا مجھے معافی دے دیجیے، آپ نے کہا جس نادان اور کم علم نے میرے بارے ایسی بات کی جو مجھ میں نہیں ہے۔ تو اسے معافی ہے۔ اور جس اہل علم نے ناحق میرے بارے کوئی بات کی تو وہ حرج یعنی خدا کی طرف سے بازپرس کے مقام میں ہے۔ کیونکہ علماء کی غیبت کرنے کے آثار ان کی موت کے بعد بھی معیوب علیہ پر بطور عیب باقی رہتے ہیں۔

بحث دوم سیاسی آزادی اور شخصی خودی

امام صاحب بڑے عالی ہمت اور بلند نظر انسان تھے۔ جانتے تھے کہ سیاسی اور شخصی آزادی ہی سے آدمی اظہار رائے پر قادر ہوتا ہے۔ اور یہ منصب جلیل جس پر میں فائز ہوں جو آفتاب کی مانند پورے عالم کو منور کر رہا ہے جس کے پرتو سے گوشہ گوشہ روشن ہے بطور وراثت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم مجھے عطا کیا گیا ہے۔ پھر ایک عالم کے لیے پیشوا اور مقتدا ہونے کی حیثیت سے اگر یہ منصب پابند سلاسل ہو جائے تو آئندہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے لیے بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس لیے آپ نے عہدۂ قضاء کو ٹھکرا کر دین متین کی لاج رکھ لی۔ اور آنے والے علماء امت کے لیے اسوۂ حسنہ قائم کیا۔ فتوٰی "جو حکم شرع کے اظہار اور اعلام کا نام ہے" خدا نے سے کسی بادشاہ اور حاکم کی پیشگی اجازت کا مرہون منت نہیں بنایا امام صاحب نے "خدا کی بات خدا کے لیے" کے زرین اصول کی بنیاد ڈالی تا آنکہ جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں اور جبر و تشدد کو لبیک کہا لیکن اپنے منصب جلیلہ پر آنچ تک نہ آنے دی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ امت کے آزاد اور بلند و بالا نظر طبقے نے امام کے ان آزادانہ نظری اور فکری احساسات کو خوشی سے قبول کیا اور اپنی زندگی کا راہنما اصول بنایا اور اسی پر جان کی بازی لگا دینے کو فخر محسوس کیا: فرضی اللہ عنہ ولمن اتبعہ من السابقین فی الخیرات باذن اللہ۔

اراد ابن ھبیرۃ اباحنیفۃ علی قضاء الکوفۃ فابی

وامتنع فحلف ابن هبيرة ان هو لم يفعل ليضربنه بالسياط على راسه. فقيل لابی حنيفة، فقال ضربة لی فی الدنيا اسهل علی من مقامع الحديد فی الاخرة، والله لا افعل ولو قتلنی ------- وحلف له ان لم يل ليضربن علی راسه حتی يموت فقال له ابوحنيفة: هی موتة واحدة فامر به فضرب عشرين سوطا علی راسه فقال ابوحنيفة: اذكر مقامك بين يدی الله فانه اذل من مقامی بين يديك ولا تهددنی فانی اقول، لا اله الا الله، والله سائلك عنی حيث لا يقبل منك جوابا الا بالحق (اخبار ابی حنيفة واصحابه ص ۵۸)

ابن ہبیرہ" کوفے کے گورنر" نے کوفے کی قضا کے بارے ابوحنیفہؒ سے کہا آپ نے انکار کیا۔ اس پر ابن ہبیرہ نے قسم اٹھائی کہ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے۔ تو وہ سر پر چابک لگائے گا ابوحنیفہؒ سے کہا گیا۔ تو آپ نے کہا" مجھ پر دنیا کی سزا آخرت کی نسبت آسان ہے۔ خدا کی قسم میں یہ کام نہیں کروں گا۔ اگر چہ مجھے قتل ہی کر دے۔
ابن ہبیرہ نے حلف اٹھائی کہ اگر وہ اسے قبول نہیں کریں گے۔ تو وہ اس کے سر پر ضرب لگائے گا۔ وقتیکہ اس کی موت واقع ہو جائے تو ابوحنیفہ نے کہا کہ دنیا کی صرف ایک موت ہے۔ تو اس نے حکم دیا اور آپ کے سر پر بیس کوڑے مارے گئے۔ تو ابوحنیفہ نے کہا۔ کہ خدا کے حضور اپنی حاضری کا خیال کیجیے۔ کہ وہ تیرے سامنے میری حاضری کی نسبت کہیں زیادہ رسواکن ہوگی۔ اور مجھے زجر مت کرو۔ میں تو لا الہ الا اللہ۔ کہہ رہا ہوں۔ اور اللہ تجھ سے میرے بارے بازپرس فرمائے گا۔ جب کہ وہاں حق کے سوا اور کوئی جواب قبول نہیں کرے گا
آپ کی دانشمندی اور فراست ایمانی میں اس ضابطۂ عمل بھی شامل ہے۔ جو

آپ کو اپنے استاد حضرت امام حمادؒ سے بطور وصیت اور تلقین عطا ہوا تھا۔ کہ "ہر سوال کا جواب اسی سوال کے اندر ہی تلاش کرنے کی کوشش کیا کرو" سوال کے انداز اور سوال کے مختلف پہلوؤں پر نظر وسیع ڈال کر غور سے دیکھو گے تو سوال کے اندر اس کا جواب بھی بالآخر پالو گے۔ چنانچہ امام نے اس میں اتنا رسوخ پیدا کر لیا۔ کہ بڑے مشکل مسائل میں ایسا دنداں شکن جواب دیتے کہ اپنے جال میں پھنس کر دم بخود رہ جاتا۔ آپ کے استاد کی وصیت کے الفاظ یہ ہیں۔

اذا سئلت عن معضلة فاقلبها سؤالا علی سائلك عنها حتی تخلص من مسألته لك، فدس الی رجل فقعد لی علی الباب وانا عند ابن هبيرة قد امر بی الی السجن فسعی الرجل الی السجن فقال: یا اباحنیفة یحل للرجل اذا أمره السلطان الاعظم أن یقتل رجلا ان یقتله؟ قال قلت له: وکان الرجل ممن وجب علیه القتل؟ قال: نعم قلت فاقتله قال: فان لم یکن ممن وجب علیه القتل؟ قال قلت: ان السلطان الاعظم لا یأمر بقتل من لا یستحق القتل (اخبار ابی حنیفة واصحابه ص۱۹)

جب تجھ سے کسی مشکل حل طلب بات کے بارے پوچھا جائے تو اس کو سوال کر کے لوٹا دو۔ تاکہ اس مسئلہ کا مخلص تمہارے سامنے آجائے اتنے میں ایک دن میرے پاس خفیہ ایک شخص کو بھیجا گیا اور وہ دروازہ پر میرے انتظار میں بیٹھ گیا۔ میں (گورنر کوفہ) ابن ہبیرہ کے پاس تھا اور مجھے جیل کی طرف لے جانے کا حکم ہو چکا تھا۔ پس وہ شخص جیل کی طرف دوڑے آیا۔ اور پوچھا "اے ابوحنیفہ کسی کو حق پہنچتا ہے کہ جب اسے سلطان اعظم کسی کے قتل کا حکم دے کہ وہ اسے قتل کر دے۔ تو میں نے کہا کہ کیا وہ شخص ایسا ہے جس پر قتل واجب ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ میں نے کہا پھر اسے قتل کر دو اس نے پھر کہا کہ اگر وہ شخص واجب القتل نہ ہو تو امام کہتے ہیں میں نے اس سے کہا۔ سلطان اعظم

ایسے شخص کے بارے قتل کا حکم نہیں دیتا جو قتل کا مستحق نہ ہو۔

(۲) تقلد الكوفة رجل من قبل ابی جعفر المنصور فاراد اذی ابی حنيفة فقال: والله لأسالنه عن مسالة يكون سبباً لقتله، ثم احضره على رؤس الناس فقال: إن امير المؤمنين يامرني بضرب الاعناق وسفك الدماء واخذ الاموال وانتهاك المحارم افا طيعه في ذلك ام اعصيه؟ فقال له ابو حنيفة: ما يأمرك به امير المؤمنين طاعة لله ام معصية؟ قال: لا، بل طاعة لله، فقال له ابو حنيفة: اطع امير المؤمنين اكرمه الله۔ في كل ما كان طاعة لله ولا تعصه وخرج واصحابه على الباب فقال (لهم): اراد الرجل ان يرهقنا فارهقناه، فاذا اتتكم معضلة فاجعلوا جوابها منها،، ص ۶۲۔

(۲) ابو جعفر منصور کی طرف سے ایک شخص کو کوفے کا گورنر مقرر کیا گیا۔ اس نے ابوحنیفہؒ کی ایذا کا تہیہ کیا اور کہا۔ خدا کی قسم میں اس سے ایک ایسا سوال کروں گا۔ جو اس کے قتل کا سبب ہوگا۔ پھر لوگوں کے سامنے ابوحنیفہؒ کو حاضر کیا اور کہا امیرالمؤمنین مجھے گردنوں کے مارنے اور ناحق خوں ریزیوں۔ لوگوں کے مال چھیننے اور محارم کی ہتک کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ کیا اس بارے میں اس کی اطاعت کروں، یا حکم عدولی؟ اس سے ابوحنیفہ نے دریافت کیا۔ تیرے خیال میں تجھے امیرالمومنین جس چیز کا حکم دیتے ہیں۔ طاعت ہے۔ یا معصیۃ؟ اس نے کہا معصیۃ نہیں بلکہ طاعۃ ہے۔ تو ابوحنیفہ نے کہا امیرالمومنین اکرمہ اللہ، کے ہر اس حکم میں جو اطاعت خداوندی ہو اطاعت کرو اس کی حکم عدولی نکرو۔ امام ابوحنیفہ باہر آئے اور آپ کے ساتھی دروازے پر کھڑے منتظر تھے۔ آپ نے ان سے کہا، اس شخص نے تو ہمارے خون بہانے کا ارادہ کیا تھا لیکن

ہم نے اس کا خون بہا دیا۔ (پھر بطور ضابطہ فرمایا) جب تمہیں مشکل بات پیش آ ئے اس کا جواب اسی مشکل میں ہی تلاش کر لیا کرو۔

بحث سوم: امام اعظمؒ کے فقہی اصول اور آپ کا مسلک!

اس باب میں آپ تمام ائمہ کرام سے ممتاز اور مختص حیثیت کے مالک ہیں۔ آپ کی خداداد فہم نے ثریا آسمانی سے ان مبارک اور دقیق اصولوں کو دریافت کر لیا۔ کہ طبعی اور حقیقی درجات کی طرح دلائل شرعیہ بھی بالترتیب یکے بعد دیگرے مرتب اور باہم متفاضل اور سلسلہ وار منسلک ہیں۔ یعنی سب سے پہلے کتاب اللہ کا مقام ہے مسائل و احکام حقائق و دقائق اسی سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ ازیں بعد سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کتاب اللہ کی تشریح اور خود مستقل درجہ و مقام کی حامل ہے۔ کو لیا جائے گا۔ پھر ان مسائل میں جن میں کتاب و سنت بظاہر ناطق نہ ہوں اجماع صحابہؓ کو لینا ہوگا۔ اجتہاد قیاس و رائے کا درجہ آخر میں ہے۔ بایں معنی کہ جب مذکورہ بالا دلائل ثلاثہ سے حکم نہ ملے تو اس کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ قیاس اور رائے کی وجہ سے امام اعظم کو خصوصی طور پر مطعون کرنا نہایت بے انصافی تغافل اور حقیقت سے ناآشنائی ہے۔ ہر دور میں ہر امام نے قیاس سے کام لیا اور آئندہ بھی اس کی ضرورت ناگزیر ہے۔ دوسرے قیاس اور رائے کے معنی یہ ہیں۔ کہ کتاب و سنت سے کسی حکم کا استنباط اور اخذ کرنا۔ بھلا ان اعلیٰ اصولوں کا انتخاب اور ترتیب پھر اس طرح کے قیاس اور رائے کی بیان کردہ تشریح کو کس طرح رد کیا جا سکتا ہے ــــ یہ ہے وہ سچی حنفیت جس کی ایک شرذمہ قلیلہ نے فی سبیل اللہ دشمنی مول لے رکھی ہے۔

۱۔ یحیی بن ضریس یقول شهدت سفیان الثوری و اتاه رجل فقال له ماتنقم علی ابی حنیفة۔ قال له وماله قال سمعته یقول آخذ بکتاب اللہ فما لم اجد فبسنة رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فما لم اجد فی کتاب اللہ ولا فی سنة رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم

اخذت بقول اصحابه اخذ بقول من شئت منهم وادع من شئت منهم و لا اخرج من قولهم الی قول غیرهم (فضائل الثلاثة لابن عبد البر ص ۱۴۲-)

(۱) یحیٰی بن ضریس کہتے ہیں کہ میں سفیان ثوری کے پاس تھا - اتنے میں ایک شخص آیا اور اس نے کہا - کہ تجھے امام ابو حنیفہ سے کیا چڑھ ہے - توسفیان نے کہا - اس کی خوبی ہے -) تو اس شخص نے کہا میں نے اس کو کہتے ہوئے سنا کہ میں کتاب اللہ کو لیتا ہوں - پس جو بات مجھے کتاب میں نہ ملے - تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لیتا ہوں - اور جب کتاب و سنت دونوں میں نہ ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی بات کو لیتا ہوں - لیکن بعض کی باتوں کو لیتا ہوں اور بعض کی باتوں کو چھوڑ دیتا ہوں - لیکن مجموعی طور پر میں ان کے اقوال سے خروج کر کے کسی غیر کی بات کو نہیں لیتا -

(۲) ابو عصمة قال سمعت اباحنیفة رح یقول ما جاء عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبلنا علی الراس والعینین وما جاء عن اصحابه رحمهم اللہ اخترنا منه ولم نخرج عن قولهم وما جاءنا عن التابعین فهم رجال ونحن رجال (ایضاً ص ۱۴۴)

ابو عصمہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہ رح کہتے ہوئے سنا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہو اسے ہم سر آنکھوں پر قبول کرتے ہیں - اور جو صحابہ رض سے حاصل ہو - اس میں سے اپنی پسند کو کام میں لاتے ہیں - اور ان کی بات سے باہر نہیں جاتے اور جو تابعین سے ہمیں پہنچتا ہے - تو وہ بھی (مرد) صاحب اجتہاد ہیں اور ہم بھی (مرد) صاحب اجتہاد ہیں -

(۳) ابا حمزة السکری یقول سمعت اباحنیفة رح یقول اذا جاء الحدیث الصحیح الاسناد عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخذنا به ولم نعده واذا جاء عن الصحابة تخیرنا وان

جاءعن التابعین زاحمنا هم ولم نخرج عن اقوالهم (ایضاً ۴۴۱)

۳ - ابوحمزہ اسکری کہتے ہیں۔ میں نے ابوحنیفہ کو کہتے ہوئے سنا۔ جب حدیث صحیح اسناد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہو۔ تو اس کو ہم اپنا مذہب بنا لیتے ہیں اور اس سے ہم تجاوز نہیں کرتے۔ اور جب صحابہ سے حاصل ہو تو اس میں ہم اپنی پسند کو کام میں لاتے ہیں۔ اور تابعین سے آئے تو ان سے ہم مقابل ہوتے ہیں۔ اور ان کے اقوال سے بھی خروج نہیں کرتے۔

۴ - وکان ابی مطیع البلخی یقول کنت یوما عند الامام ابی حنیفۃؒ فی جامع الکوفۃ فدخل علیہ سفیان الثوری ومقاتل بن حیان وحماد بن سلمۃ وجعفر الصادق وغیرھم من الفقھاء فکلموہ وقالوا قد بلغنا انک تکثر من القیاس فی الدین وانا نخاف علیک منہ فان اول من قاس ابلیس فناظرھم الامام من بکرۃ نہار الجمعۃ الی الزوال وعرض علیھم مذھبہ وقال انی اقدم العمل بالکتاب ثم بالسنۃ ثم باقضیۃ الصحابۃ مقدما ما اتفقوا علیہ علی ما اختلفوا فیہ وحینئذ اقیس فقاموا کلھم فقبلوا رکبتہ ویدیہ وقالوا لہ انت سید العلماء فاعف عنا فی ما مضی منا من وقیعتنا فیک بغیر علم فقال غفر اللہ لنا ولکم اجمعین (الکلام المبرور للعلامہ الکھنوی صلا۔)

ابو مطیع بلخی کہتے تھے کہ میں ایک دن امام ابوحنیفہؒ کے پاس کوفہ کی جامع مسجد میں تھا تو سفیان ثوری مقاتل بن حیان۔ حماد بن سلمہ۔ جعفر صادق وغیرہ فقہاء کرام تشریف لائے اور آپ سے باتیں کیں۔ اور کہا کہ ہمیں معلوم ہوا کہ آپ دین میں قیاس کو زیادہ کام میں لاتے ہیں۔ اور ہمیں آپ پر اس چیز سے خوف ہے جس نے سب سے پہلے قیاس سے کام لیا وہ ابلیس تھا امام نے ان سے علی الصباح جمعہ سے زوال تک مناظرہ کیا اور ان پر اپنا مذہب واضح کیا۔ اور کہا میں کتاب اللہ پر عمل کی تقدیم ضروری سمجھتا ہوں۔ پھر سنت پر

پھر صحابہ کرام کے فیصلوں کو جو متفق علیہ ہیں مختلف فیہ پر مقدم سمجھتا ہوں - اور اس وقت (اس قاعدہ سے) میں قیاس کرتا ہوں تو سارے فقہاء اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کے گھٹنے اور ہاتھوں کو بوسہ دیا - اور کہا آپ تو علماء کے سردار ہیں۔ کل ماضی میں آپ کی شان کے بارے لاعلمی میں ہم سے جو قصور سرزد ہوا اس کی تلافی چاہتے ہیں - آپ نے کہا اللہ تعالیٰ ہم سب کو معاف کر دے -

تکفیر کے باب میں امام اعظم کا مسلک

تکفیر کے مسئلہ میں امام اعظم کی احتیاط معروف و مشہور ہے - جو توضیح و تشریح طلب ہے۔ اس باب میں خود امام صاحب سے کافی ذخیرہ منقول و متوارث ہے - لیکن یہاں سر دست مسئلہ کی اصل نوعیت بیان کرنا مقصود ہے - اہل حق کا ہمیشہ سے یہی شعار رہا ہے کہ وہ تکفیر میں عجلت پسندی - ناعاقبت اندیشی نہیں کرتے - فرقہ غالیہ شیعہ - مبتدعہ اور جملہ فرق باطلہ اس کے برخلاف تکفیر و تضلیل اور امت میں تفریق کے خصوصی کردار سے ممتاز رہے ہیں - لیکن ائمہ دین اپنے اپنے متبعین کو یہی وصیت کرتے رہے ہے کہ عنان تکفیر کو واگذار نہ چھوڑ دینا چاہیئے اور انہوں نے اسی کو دین اسلام کی بہت بڑی فقہ قرار دیا ہے ابو مطیع بلخی کہتے ہیں :

سالت اباحنیفۃ النعمان بن ثابت رحمہ اللہ عن الفقہ الاکبر فقال لا تکفر احد أبذ نبہ ولا تنف احد أمن الایمان الخ۔

میں نے ابو حنیفہ نعمان بن ثابت سے فقہ اکبر کے بارے دریافت کیا فرمایا کسی کے گناہ پر اس کی تکفیر نہ کرو اور کسی کی ایمان سے نفی نہ کرو -

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اہل علم (اہلسنت) اور اہل بدعت کے مابین بطور امتیاز خصوصی اس طرح تحریر فرماتے ہیں ؛

فمن عیوب اہل البدع تکفیر بعضھم بعضا - و من ممادح اہل العلم انھم یخطئون ولا تکفرون - (منہاج السنۃ ج ۲ ص ۶۳)

فرق اہل بدعت کے عیوب میں یہ عیب بھی ہے کہ وہ ایک دوسرے

کی تکفیر کرتے ہیں۔ اور اہل علم (اہلسنت) کی قابل قدر صفات میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ غلطی کی نشاندہی اور نسبت الی الخطاء تو کرتے ہیں لیکن تکفیر نہیں کرتے۔

فقہ اکبر از امام اعظم ابوحنیفہ بروایت ابو مطیع بلخیؒ

۱۔ امام ابو مطیع بلخی سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفیؒ کے مایۂ ناز تلمیذ ہیں۔ انہوں نے امام اعظم سے اعتقادات اور مسائل کلامیہ میں مختلف سوالات کر کے آپ کے جوابات قلمبند کیے ہیں۔ متقدمین علماء وفقہاء اور اہل تاریخ وسیر کی تحقیق ورائے میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کی فقہ اکبر کا دراصل صحیح نسخہ یہی ہے۔

ملا علی قاری سے متقدم علماء نے اپنی کتب میں صرف اسی کا حوالہ دیا ہے۔

۲۔ تقابلی مطالبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مشہور فقہ اکبر جس کی شرح ملاّ علی قاری نے کی ہے۔ وہ امام اعظم کی تصنیف نہیں ہے۔ کیونکہ اس تصنیف کا طور وطریق متاخرین کے متون کے موافق ہے۔ امام صاحبؒ کے زمانہ میں تصنیف کا یہ طریق نہیں تھا۔

یہ تو متاخرین کا انداز ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن حاجب اور علامہ تفتازانی کے متون کا ہوتا ہے۔ حضرت امام کے دور میں حدثنا و اخبرنا کے ذریعے کتاب کے مندرجات کو مروی عنہ تک پہنچایا جاتا تھا۔ یہ اس انداز سے کوسوں دور ہے۔

نیز حضرت امام جو کسی کا فر کہنے میں نہایت محتاط تھے اور اس بارے میں پھونک پھونک کر قدم رکھتے تھے۔ ان کی شان سے بعید ہے کہ وہ بے دھڑک یہ تحریر فرمائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کفر پہ مرے۔

۳۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ حنبلی نے اپنے رسالہ حمویہ میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کی نسبت ابو مطیع بلخی سے اسی فقہ اکبر کے حوالہ سے لکھا ہے۔

وفي كتاب "الفقه الاكبر" المشهور عند اصحاب ابي حنيفة الذي رووه بالاسناد عن ابي مطيع الحكم بن عبد الله البلخي قال سألت ابا حنيفة عن الفقه الاكبر، فقال لا تكفرن احدا بذنب ولا تنف احدا به من الايمان وتامر بالمعروف وتنهى عن المنكر وتعلم ان ما اصابك لم يكن ليخطأك ولا تبرء من احد من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا توال احدا دون احد وان ترد امر عثمان وعلي الى الله عز وجل الخ (مجموعة الفتاوى ج ٥ ص ٤٦)

فقہ اکبر جو اصحاب ابی حنیفہؒ کے ہاں مشہور ہے۔ جسے ابو مطیع بلخی نے امام صاحب سے روایت کیا ہے، اس میں ہے: میں نے ابو حنیفہؒ سے پوچھا فقہ اکبر کیا ہے۔ فرمایا گناہ پر کسی کی تکفیر نہ کرو اور نہ ہی کسی سے ایمان کی نفی کرو اور یہ کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو۔ اور یہ عقیدہ رکھو کہ جو کچھ تجھے (نفع ضرر) پہنچا ہے۔ ہٹ نہیں سکتا تھا۔ اور جو رہ گیا ہے وہ پہنچ نہیں سکتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی سے بیزاری کا اظہار نہ کرو کسی سے تعلق اور کسی سے لاتعلقی کا معاملہ نہ ہونا چاہیے اور یہ کہ حضرت عثمان اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرو۔ فقط۔

---

[1] مجلس علمی کراچی نے اسے مفصل عربی شرح کے ساتھ طبع کرایا ہے۔ شرح مولانا قاضی عبید اللہ بانی مدرسہ نقشبندیہ ڈیرہ غازی خاں کے قلم سے ہے اس پر تحقیق اور مقدمہ راقم الحروف کی کاوش کا نتیجہ ہے محمد عیسیٰ عفی عنہ